والد محترم علامہ عبدالعزیز میمن مرحوم

چند یادیں، چند باتیں

محمد محمود میمن

والد محترم علامہ عبدالعزیز میمن بن حاجی عبد الکریم بن یعقوب بن عبداللہ ابانی ۱۸۸۸ء میں اپنی ننھیال گونڈل میں پیدا ہوئے۔ آبائی وطن راجکوٹ تھا۔ دادا جان کا پیشہ زمینداری تھا۔ وہ بہت جفاکش متدین، خدا ترس، اور بااصول انسان تھے۔ دادی محترمہ کا نام مریم بائی تھا۔ وہ بقول والد صاحب کے مسکین طبعیت، نیک دل اور دیندار خاتون تھیں۔ والد صاحب نے زیادہ تر تعلیم دھلی میں حاصل کی۔ یوں تو انہوں نے بہت سے اساتذہ سے استفادہ کیا مگر جس استاد کی تعلیم سے انہوں نے عملاً زیادہ فائدہ اٹھایا انکا اسم گرامی مولوی عبد الرحمن پنجابی تھا اور وہ دھلی میں حاجی علی جان کی مسجد میں جو گھنٹہ گھر کے قریب تھی درس دیا کرتے تھے۔ والد صاحب فرماتے تھے کہ انہوں نے جس محبت اور شفقت سے انہیں تعلیم دی اسکا احسان وہ زندگی بھر نہ بھولینگے۔ والد صاحب کو ڈپٹی نذیر احمد کی شاگردی کا بھی شرف حاصل ہے اور ان سے انہوں نے عربی ادب پڑھا۔ ڈپٹی نذیر احمد اپنے زمانہ کے بہت بلند پایہ عالم تھے اور اپنی اردو اور فارسی کی استعداد کے سبب بہت ممتاز تھے۔ والد صاحب جس وقت ایڈورڈز کالج پشاور میں ملازم تھے اسوقت انکی شادی ۱۹۱۰ء میں اپنی پھوپھی کی لڑکی زینب بائی سے ہوئی۔ والدہ محترمہ نہایت منکسر المزاج نیک طبعیت اور دیندار خاتون تھیں۔ والد صاحب کی اولاد ان افراد پر مشتمل

ہے ۔ محمد محمود میمن ۔ زبیدہ خاتون ۔ محمد سعید میمن ۔ سکینہ بانو مرحومہ ۔ صفیہ میمن ۔ اور ڈاکٹر محمد عمر میمن جو آجکل وسکانسن یونیورسٹی امریکہ میں عربی کے استاد ہیں ۔

ابھی میں بچہ ہی تھا اور میری عمر تقریباً سات سال کی تھی، شاید ۱۹۲۳ء کا سال تھا کہ والد صاحب مجھے اپنے ہمراہ لاہور لے گئے ۔ اس زمانہ میں وہ اورینٹل کالج لاہور میں عربی کے لکچرار تھے ۔ والدہ محترمہ نے بہت مخالفت کی کہ بچہ ابھی بہت چھوٹا ہے اور اسے اپنی ماں سے جدا نہ کریں مگر والد صاحب کا فیصلہ اٹل تھا اور انہوں نے کسی کی بات نہ مانی ۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ میں انکی نظروں سے دور راجکوٹ کی گلیوں میں عام لڑکوں کے ساتھ کھیل کود میں وقت ضائع کروں ۔ انہیں مجھے بہتر سے بہتر طریقہ پر تعلیم دلانے کا شوق تھا اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن تھا کہ میں انکی نظروں کے سامنے رہوں ۔ لاہور میں ہمارا قیام حضوری باغ میں تھا جو لال قلعہ اور شاہی مسجد کے درمیان واقع ہے ۔ وہاں اسوقت لڑکوں کی رہائش کے لئے ایک اقامت گاہ تھی اور اسی میں ہم رہا کرتے تھے ۔ والد صاحب نے بذات خود مجھے ابتدائی تعلیم دی ۔ جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے ان سے اردو لکھنا پڑھنا سیکھا اور انہوں نے مجھے اسماعیل میرٹھی مولانا الطاف حسین حالی اور علامہ اقبال کی کچھ نظمیں پڑھائیں ۔ ایک سال بعد والد صاحب والدہ محترمہ کو بھی لاہور لے آئے اور ہم سب یعنی دو بھائی اور دو بہنیں انکے ساتھ پرانی انارکلی لاہور میں رہا کرتے تھے ۔ مجھے اسوقت کا لاہور اب تک بخوبی یاد ہے ۔ ۱۳ نومبر ۱۹۲۵ء کو ہم لوگوں نے لاہور چھوڑا ۔ ۱۴ نومبر ۱۹۲۵ء سے والد صاحب نے علی گڑھ میں اپنی ملازمت کا آغاز کیا ۔ اس وقت میری عمر بمشکل نو سال تھی ۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ علی گڑھ میں ہمیں

آئے ہوئے کچھ ہی عرصہ گزرا ہوگا، شاید ۲۶- ۱۹۲۵ء کی تاریخ تھی کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی سلور جوبلی منائی گئی۔ اس میں والد صاحب نے ایک نظم پڑھی اور اس کا اردو میں ترجمہ بھی کیا۔ سامعین نے اسے بہت سراھا اور زوردار تالیاں بجائیں جنہیں سن کر میں اسوقت اپنی کم عمری میں بہت خوش ہوا۔

والد صاحب کو لمبی سیر کا بہت شوق تھا اور وہ اپنی اور اپنے اھل و عیال کی صحت کا بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ مجھے یاد ھے کہ علی گڑھ کی سخت سردیوں میں دسمبر کے مہینہ میں صبح کے وقت جب کافی اندھیرا ھوتا تھا تو وہ ھمیں اٹھا دیتے تھے۔ اور اگر ھم اٹھنے میں کچھ تا خیر کرتے تو بلا تامل منہ پر پانی ڈالدیتے تھے۔ ضروریات سے فارغ ھو کر خود نماز پڑھتے اور ھم پر بھی نظر رکھتے کہ آیا ھم نے نماز پڑھی کہ نہیں اور پھر ھم دونوں بھائیوں کو ھمراہ لیکر کچے قلعہ کی طرف سیر کو نکل جاتے تھے۔ کچا قلعہ ھمارے گھر میمن منزل سے تقریباً دو میل دور ھوگا۔ ھم سے دوڑ لگواتے تھے اور ھمارے پیچھے پیچھے خود بھی کچھ فاصلہ تک دوڑ لگاتے تھے۔ جب ھم گھر لوٹتے تو حکم ھوتا کہ تھوڑی سی ورزش کر لو۔ والد صاحب مثالی تندرست انسان تھے۔ میں نے شاید ھی کبھی انکو بیمار ھوتے ھوئے دیکھا ھو۔ گھر میں انکا ایک مخصوص کمرہ تھا جسے ھم لوگ کتابوں کا کمرہ کہتے تھے۔ اس میں ان کی لائبریری تھی۔ اس کے فرش پر ایک قالین بچھا ھوا تھا جو وہ اپنے ساتھ اسلامی ممالک کے دورہ سے واپسی پر لائے تھے۔ جب کوئی تحقیقی کام کرتے تو اس کمرہ میں گھنٹوں بند رھتے۔ اسوقت مجال نہ تھی کہ گھر میں کوئی پرندہ پر مار سکے یا کسی قسم کا شور و غل ھو۔ رات کو پڑھنے لکھنے کے قائل نہ تھے۔ چنانچہ اپنی وفات تک عینک سے بے نیاز رھے اور آرام سے اخبار پڑھ لیتے

تھے - تحقیقی کام کے سلسلہ میں لمبی نشستوں کی وجہ سے انکو کمر کے درد نے بہت پریشان کیا تھا - یہ غالباً ۳۴-۱۹۳۳ء کا زمانہ تھا -

والد صاحب کو عربی سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا - انہوں نے مجھے بچپن میں عربی پڑھانیکی بہت کوشش کی - مجھے اب یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں انہوں نے بہت جلد بازی سے کام لیا اور کچھ ضرورت سے زیادہ ہی مجھ پر سختی کی ورنہ میں عربی پڑھ لیتا - وہ شاید یہ چاہتے تھے کہ میں قجلد از جلد عربی پڑھ لوں اور ان کے پایہ کا عالم بن جاؤں مگر افسوس کہ میری سمت میں یہ نہ لکھا تھا - مجھے عربی پڑھنے سے بجائے دلچسپی کے بیزاری ہونے لگی اور میٹرک میں اور میٹرک کے بعد میں نے عربی کو بطور اختیاری مضمون لینے سے اجتناب کیا - میرے اس رویہ پر وہ مجھ سے بہت زیادہ دل برداشتہ ہوئے - چنانچہ میرے سب سے چھوٹے بھائی محمد عمر میمن کو عربی اختیاری مضمون کے طور پر دلوایا - مگر جہانتک مجھے یاد ہے انہوں اسے خود عربی نہیں پڑھائی - میرے بھائی نے عربی میں بی - اے (آنرس) ایم - اے اور پی ایچ -ڈی کیا - جب میں اسلامیہ کالج کراچی میں شعبہ جغرافیہ کا صدر تھا، یہ ۵۵-۱۹۵۰ء کا زمانہ تھا تو اس وقت والد صاحب نے مجھے علی گڑھ سے مطلع کیا کہ میں انکے کسی کام کے سلسلہ میں ڈاکٹر عبدالوھاب عزام بے سے جو پاکستان میں مصر کے سفیر تھے ملاقات کروں - ڈاکٹر عبدالوھاب عزام بے نے مجھ سے انگریزی میں گفتگو کی اور بے انتہا خلوص اور محبت کا اظہار کیا وہ بار بار فرماتے تھے کہ ”تم استاد المیمنی کے بیٹے ہو“- اور یہ کہ ”وہ عربی کے ممتاز اور متبحر عالم ہیں“ اس واقعہ کے بعد مجھے صحیح اندازہ ہوا کہ عربی ادب میں والد صاحب کا کتنا بلند مقام ہے-

والد صاحب سادہ زندگی گزارنے کے قائل تھے اور ہم سب سے بھی اسی کے متمنی تھے ۔ وہ صوفی منش انسان تھے ۔ گوشہ نشینی اور زمانہ کی عمومی آلودگیوں سے ان کی لا تعلقی ان کا طرۂ امتیاز تھی ۔ انہوں نے تقریباً تینتالیس (۴۳) سال ملازمت کی مگر کبھی بھی اپنے ادارے کی اندرونی یا ملکی سیاست میں حصہ نہیں لیا ۔ انہیں صرف ایک ہی لگن تھی اور وہ عربی زبان و ادب کی خدمت ۔ یوں تو انکے دوست احباب بہت تھے مگر ان میں سے انہیں جن سے زیادہ قریبی لگاؤ اور محبت تھی ان میں سر فہرست یہ حضرات تھے ۔ راجکوٹ میں انکے بچپن کے ساتھی اور مخلص دوست عبدالرحیم معرفانی مرحوم جو بقول والد صاحب بڑے اچھے مقرر تھے ۔ برصغیر کی تقسیم کے وقت معرفانی صاحب راجکوٹ مسلم لیگ کے اہم کارکن تھے اور اگر مجھے غلط یاد نہیں تو وہ راجکوٹ مسلم لیگ کے پریزیڈنٹ بھی تھے ۔ دوسرے عمر ولی سیٹھ جیوا بھائی مرحوم تھے ۔ ان سے بھی والد صاحب کو بہت لگاؤ تھا ۔ دوسرے عزیز دوستوں میں جونا گڑھ کے قاضی احمد میاں اختر مرحوم تھے ۔ یہ وہاں کے جاگیرداروں میں شمار ہوتے تھے اور بہت پڑھے لکھے آدمی تھے ۔ شہر کے عمائدین میں انکا شمار ہوتا تھا ۔ تقسیم ہند کے بعد کراچی میں سکونت اختیار کر لی تھی ۔ انجمن ترقی اردو سے بھی وابستہ رہے تھے اور وفات کے وقت سندھ یونیورسٹی حیدرآباد میں شعبہ مسلم ہسٹری کے صدر تھے ۔ وہ چند کتابوں کے مصنف بھی تھے ۔ چھٹیوں میں جب کبھی والد صاحب جونا گڑھ جاتے تھے تو قاضی احمد میاں اختر کے گھر پر ہی انکا قیام ہوتا تھا ۔ انکی قیام گاہ پر اکثر پڑھے لکھے حضرات کی نشست ہوتی تھی ۔ جسمیں مختلف موضوعات پر علمی گفتگو ہوتی تھی ۔ جو لوگ وہاں جمع ہوتے تھے ان میں پرنسپل ظہور الدین ۔ سید محمد علی ترمذی اور اسماعیل ابراهنی کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں ۔ قاضی احمد میاں اختر

مرحوم کے مجھ پر بہت احسانات ہیں جو میں ساری عمر نہیں بھولونگا۔ والد صاحب جب دھلی جاتے تھے تو مولوی محمد جونا گڑھی مرحوم کے گھر پر قیام کرتے تھے۔ ان کا قرول باغ دھلی میں مدرسہ رحمانیہ کے قریب لب سڑک دو منزلہ مکان تھا۔ مولوی محمد جوناگڑھی مرحوم عالم دین تھے۔ میں نے انکے پیچھے نماز جمعہ بھی پڑھی ہے اور مجھے ان سے قرآن حکیم کے چند پارے با ترجمہ پڑھنے کا بھی شرف حاصل ہے۔ اگر میرا حافظہ دھوکا نہیں دیتا تو وہ دھلی سے ایک رسالہ ''اھل حدیث،، کے نام سے نکالتے تھے۔ علی گڑھ میں جس شخصیت سے والد صاحب کو بہت لگاؤ تھا وہ مولانا ابو بکر شیث مرحوم کی ذات تھی۔ مولانا کا مسلم یونیورسٹی میں شعبہ دینیات سے تعلق تھا اور وہ نماز جمعہ بھی پڑھایا کرتے تھے۔ بہت ھی نیک فرشتہ سیرت متدین بزرگ ہستی تھے۔ چہرہ بہت ھی پر نور اور شخصیت باوقار تھی۔ نماز جمعہ کے بعد یونیورسٹی کے چند پروفیسر جنکو ان سے عقیدت تھی مسجد سے ملحق انکے حجرہ میں کچھ دیر بیٹھتے تھے اور انکی دینی گفتگو سے استفادہ کرتے تھے۔ میں بھی اکثر والد صاحب کے ساتھ اس محفل میں شریک ھو جاتا تھا۔ مولوی ابوبکر شیث مرحوم اپنے احباب کی قہوہ نما چائے سے خاطر تواضع کرتے تھے۔

محترم والد صاحب والدہ محترمہ کے ساتھ کراچی میں میمن منزل میں رہا کرتے تھے جو بہادر شاہ ظفر روڈ پر بہادر آباد میں واقع ہے۔ میں اور میرے بھائی محمد سعید میمن نے ان سے بارھا درخواست کی کہ ھمارے پاس حیدرآباد تشریف لے آئیں اور وھیں قیام کریں اس لئے کہ ضعیفی میں دونوں کے لئے کراچی میں رھنا اور گھر کی ساری ذمہ داریاں اٹھانا کسی صورت میں مناسب نہیں مگر ہمیشہ ان کا ایک ھی جواب ھوتا تھا کہ میری لائبریری کا کیا ھوگا اور یہ

کہ میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور مزید فرماتے تھے کہ میرے سارے دوست احباب خاص طور پر مسلم ممالک کے اور وہ حضرات جنکو عربی سے لگاؤ ہے سب کے سب کراچی میں ہیں، حیدرآباد آکر میں ان سے کٹ جاؤنگا اور زندگی بے کیف ہو جائیگی۔ چنانچہ مجبوراً لاجواب ہو کر ہمیں خاموشی اختیار کرنی پڑتی تھی۔ والدہ محترمہ کو ھائی بلڈ پریشر کا عارضہ تھا ۔ ۱۷ جنوری ۱۹۷۳ء کو ان پر اس مرض کا شدید حملہ ہوا اور وہ جسمانی اور دماغی طور پر معذور ہوگئیں۔ چنانچہ میں ان کو حیدرآباد لے آیا۔ یہاں تقریباً ڈیڑھ سال بعد ۶ مئی ۱۹۷۶ء کو وہ اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ والدہ محترمہ کے حیدر آباد میں قیام کے دوران اور انکی وفات کے بعد والد صاحب کراچی میں بالکل تنہا رہ گئے تھے۔ وہ بہت خود دار تھے اس لئے کبھی بھی انہوں نے کسی کے ساتھ رہنا پسند نہ کیا اور یہ کہ وہ کسی صورت میں ہم لوگوں پر یہ تاثر چھوڑنا نہیں چاہتے تھے کہ وہ ہمارے محتاج ہیں۔

والد صاحب اپنے معمولات کے بہت پابند تھے۔ صبح سویرے اٹھتے ضروریات سے فارغ ہو کر فجر کی نماز ادا کرتے اور والدہ کے انتقال کے بعد تو ناشتہ بھی خود بنالیتے تھے۔ ناشتہ کے بعد بڑے اہتمام کے ساتھ حقہ تیار کرتے اور اس سے پوری طرح لطف اندوز ہوتے تھے۔ دوپہر کا کھانا بارہ بجے تک کھا لیتے تھے ظہر کی نماز پڑھ کر قیلولہ کرتے تھے اور رات کا کھانا مغرب کے تھوڑی دیر بعد کھاتے تھے۔ رات کو نماز عشاء پڑھکر سو جاتے تھے۔ میری سب سے چھوٹی بہن صفیہ مین جو کراچی ہی میں رہتی ہے ان کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ جب کبھی انکی طبیعت ناساز ہو جاتی تو وہ انہیں اپنے گھر لے آتی اور انکی تیمارداری کرتی۔ والد صاحب بہت بلند ہمت انسان تھے۔ اگر کبھی اٹھتے بیٹھتے یا سیڑھیاں چڑھتے وقت کوئی شخص انکو سہارا دینے کی کوشش کرتا تو وہ اسے

ہرگز قبول نہ کرتے تھے ۔ انہیں کسی قسم کا کوئی عارضہ نہ تھا بجز جوڑوں کے درد کے جو ضعیفی میں عام طور پر لاحق ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ چلنے پھرنے سے کافی حد تک معذور ہو چکے تھے اور کہا کرتے تھے کہ افسوس کہ میری چہل قدمی بند ہوگئی ۔ اس سال ماہ رمضان انہوں نے حیدر آباد میں گزارا اور عید الفطر بھی ہم لوگوں کے ساتھ منائی ۔ ۲۷ اکتوبر بروز جمعرات بوقت شام اچانک انکی طبعیت خراب ہوئی اور گلے میں تکلیف کی شکایت کی اور فرمانے لگے کہ مجھے سانس لینے میں دشواری ہوتی ہے ۔ میرا بھتیجا جاوید سعید میمن جو عرصہ ایک سال سے انکے ساتھ رہ رہا تھا اور نیشنل کالج آف انجیئرنگ میں زیر تعلیم ہے اس نے فوراً میری بہن صفیہ میمن کو مطلع کیا اور وہ انہیں اپنے گھر لیگئی ۔ وہاں انکی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی اور اسی رات تقریباً ساڑھے تین بجے وہ خالق حقیقی سے جا ملے ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون جنازہ میں عزیز و اقارب کے علاوہ دوستوں ،مداحوں اور شاگردوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی ۔ نماز جنازہ پی ۔ ای ۔ سی ۔ ایچ ۔ سوسائٹی کے قبرستان میں ادا کی گئی اور وہیں مسجد سے ملحق قبرستان میں انہیں سپرد خاک کیا گیا ۔